Vol.5 No.2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

مزاحمتی شاعری میں حبیب جالب کا کردار

The role of Habib Jalib in resistance poetry

۱ ڈاکٹر محمد محسن (ساحل سلہری)

ڈاکٹر مظہر اقبال (کلیار)

۳ ڈاکٹر عامر اقبال

۱۔ سیال کوٹ، پنجاب، پاکستان

۲۔ لاہور، پنجاب پاکستان

۳۔ وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد

Abstract:

The tradition of resistance poetry which started with the Muslim decline continued in the form of Habib Jalib after the establishment of Pakistan. Among the progressive poets, after Faiz, the effective voice is that of Habib Jalib. Faiz himself had called Habib Jalib a poet of the people. Habib Jalib raised his voice against social and class inequality and discrimination. He fought the political and social conditions of his country and the war for human rights throughout his life. He wanted to save the nation from oppression, barbarism and injustice. He was a supporter of communism. Habib Jalib never acknowledged the forces of exploitation and oppression. As a result, he was tortured several times and sent to prison. In his poetry, Habib Jalib promotes the equal distribution of resources among human beings, anti-imperialism, personal freedom and democracy. He protested against the wrong policies of the rulers. Habib Jalib,s poetry is based on truth and reality. He wrote down that he saw and and felt like the letter of truth. Habib Jalib was a true and upright poet. He used to speak the truth, but his words offended the rulers. He resisted all his life and became a way for future poets.

Keywords: Resistance poetry, Habib Jalib, social, class inquality, political, human rights, communism, democracy,

کلیدی الفاظ: مزاحمتی شاعری، حبیب جالب، معاشرتی، طبقاتی ناہمواری، سیاسی، انسانی حقوق، اشتراکیت، جمہوریت

یہ ایک فطری امر ہے کہ مزاحمت انسان کی ذات میں شامل ہے۔ جب بھی کوئی بات اس کے خلافِ طبع گزرتی ہے تو وہ اس پر ردِ عمل کرتا ہے۔ یہی ردِ عمل مزاحمت کہلاتا ہے عام لوگوں کی مزاحمت کے طریقے اور ہوتے ہیں جب کہ ادیب و شاعر اس ردِ عمل کو اپنی تخلیقات کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔ ادیب معاشرے کا دماغ اور حساس طبقہ ہوتا ہے اس لیے وہ معاشرتی استحصال اور ناہمواریوں کو زیادہ محسوس کرتا ہے۔ اُردو ادب کا آغاز ہوا تو معاشرہ سیاسی انحطاط اور معاشرتی و تہذیبی زوال کا شکار تھا۔ برصغیر پاک و ہند پر مسلمان تقریباً ساڑھے چھ سو سال حاکم رہے اور آخر کار ۱۸۵۷ء کو ان کا طویل دورِ حکومت ختم ہو گیا اور وہ غلامی کا شکار ہو گئے۔ سیاسی اور تہذیبی زوال میں ۱۸۵۷ء کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس جغرافیائی شکست کے اثرات ادب پر گہرے مرتب ہوئے۔

اٹھارویں صدی کے آغاز ۱۷۰۷ء ہی سے مسلمان زوال کو شکار ہو گئے۔ اس صدی کے آخر تک ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی بنیادیں مضبوط کر چکی تھی اس لیے بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی ۱۸۵۷ء تک کا دور مسلمانوں کی تحلیل کا دور ہے۔ دراصل مغلیہ سلطنت اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہی زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ان حالات کو عام آدمی نے بھی محسوس کیا لیکن شاعروں نے مغلوں کے انحطاط کی نوحہ خوانی کی ہے۔ اس دور کی شاعری میں اس المیہ کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ اس دور کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے(۱)

دلّی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں تاج و تخت کا(۲)

اس سارے دور کی عکاسی اس دور کی شاعری میں ملتی ہے، شعرا نے خاص طور پر شہر آشوب بھی لکھے ہیں۔ میرؔ نے بھی اس عہد کی ترجمانی کی ہے:

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا(۳)

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کے(۴)

اس حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد رقم طراز ہیں:

"اس ساری صورت حال نے جس طرح سیاسی و ثقافتی سطح کو متاثر کیا تھا اس کے اثرات اس دور کی شاعری پر محسوس ہوتے ہیں۔ خاص طور پر شہر آشوب میں جو ناجی، سودا، میر، شاہ حاتم اور دوسرے کئی شعرا نے لکھے ہیں اس بد حالی اور زوال کی واضح صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ اس دور کی شاعری میں نہ صرف عصری عکاسی موجود ہے بلکہ مستقبل کا ڈر اور خدشے بھی ہیں یہ احساس میر کے یہاں تو بہت ہی واضح شکل میں آیا ہے۔ میر نے مستقبل کے وسوسوں اور خدشوں کا ذکر ہی نہیں کیا اپنے عہد کے طبقہ امرا پر بھرپور تنقید کی ہے" (۵)

اس طرح اٹھارویں صدی جو کہ میر کا عہد تھا گزر گیا اور معاشرتی انحطاط پر اس دور کے شعرا نے مزاحمت کی۔ انیسویں صدی میں غالب سب سے زیادہ سراپا احتجاج نظر آتے ہیں، ان کا یہ شعر دیکھیے:

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے(۶)

غالب نے مغلوں کی عظمت اور زوال یکساں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس لیے وہ اس عہد کے بڑے نوحہ گر تھے۔ انھوں نے تباہ حال گلشن کی تصویر کشی کی ہے اس حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

"اٹھارویں صدی کے عظیم شاعر میر کا عہد ختم ہوتا ہے تو انیسویں صدی کے عظیم شاعر غالب کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ مغل سلطنت اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی، انگریزوں کے قدم جم رہے تھے اور وقت نے مغل اقتدار کے زوال کا قرعہ بہادر شاہ ظفر کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ یہ سارا تماشا غالب جیسے حساس شاعر کی آنکھوں سے اوجھل نہ تھا۔ غالب مغل تہذیب کی عظمت و زوال دونوں کے عکاس ہیں۔ غالب وہ نوحہ گر ہیں جن کے نوحے ایک طرف تو اپنے دور کی عظمت کی قسم کھاتے ہیں اور دوسرے جانب کمال خاموشی سے اس کھوکھلے پن پر پڑے ہوئے پردے کو بھی ہٹاتے چلے جاتے ہیں"(۷)

غالب کے بعد اکبر الہ آبادی نے انگریزوں کی آمد اور تعلیم و تہذیب پر طنزیہ انداز میں مزاحمت کی ہے۔ اکبر الہ آبادی نے مغربی پیروی کی سخت مخالفت کی ہے ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا رقم طراز ہیں:

"اکبر الہ آبادی برطانیہ اور مغرب کے شدید مخالف تھے مگر یہ مخالفت محض جذباتی یا مشرقیت سے مبہم لگاؤ کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس کی وجوہ تھیں جو آسانی سے رد نہیں کی جا سکتیں وہ مغرب کے اس وجہ سے مخالف تھے کہ ہندوستان میں جو اقدامات کیے جا رہے تھے وہ مقامی باشندوں کی بھلائی کے نام پر ہو رہے تھے مگر ان کی تہ میں برطانوی حکومت کے استحکام کا مقصد پنہاں تھا۔ تعلیم جدید ہو یا رسل و رسائل کے ذرائع کی توسیع، مقننہ ہو یا عدلیہ سبھی باتیں سلطنت کے استحکام و دوام کے مقاصد انجام دینے کے لیے وجود میں آئیں تھیں، مگر تاثر یہ دیا جاتا تھا کہ یہ سب مقامی باشندوں کو ترقی یافتہ اقوام کے دوش بدوش چلانے کے لیے ہیں" (۸)

اس طرح مزاحمتی شاعری کا سفر بیسویں صدی میں داخل ہو گیا۔ اس صدی میں برصغیر میں سیاسی تبدیلی اور آزادی کی تحریکوں نے جنم لیا۔ اس دور میں اشتراکیت اور جمہوریت پر بات ہونے لگی، اس صدی میں اقبال ایک بڑے شاعر تھے۔ انھوں نے انگریزی تہذیب کے ساتھ فکری اور عملی جہاد کیا۔ انھوں نے جبر و ستم کے شکار مسلمانوں کو آزادی کے لیے آگے بڑھنے کے لیے حوصلہ افزائی کی۔ اقبال نے غالب اور اکبر کے مزاحمتی تسلسل کو برقرار رکھا اور اسے عصر حاضر سے ہم آہنگ کر دیا۔ اقبال کے بعد دو بڑی ادبی تحریکیں پیدا ہوئیں، ترقی پسند تحریک نے معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف آواز اٹھائی اور تحریک آزادی میں بھی اہم کردار ادا کیا، اس حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

"بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں اردو ادب ایک انقلاب آفریں رویے سے آشنا ہوا۔ ترقی پسند تحریک نے سوچ کا زاویہ ہی بدل دیا۔ اردو افسانے میں "انگارے" کی صورت میں جس جرأت اظہار نے جنم لیا اس کا اثر بالواسطہ شاعری پر بھی پڑا" (۹)

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اس تحریک کے بڑے شاعروں میں فیض احمد فیض، ظہیر کاشمیری، جوش ملیح آبادی، احمد ندیم قاسمی، جاں نثار اختر، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، مجروح سلطان پوری، ساحر لدھیانوی، حبیب جالب، شکیب جلالی، محسن احسان، احمد فراز، عارف عبدالمتین، ظفر اقبال، افتخار عارف اور سرور ارمان شامل ہیں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ تحریکِ آزادی کی جدجہد کا دور تھا۔ اس لیے زندگی کے ہر شعبے کی طرح شاعری پر بھی اس دور کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ترقی پسند تحریک کے قیام کے بعد حلقہ اربابِ ذوق کا قیام بھی عمل میں آگیا۔ حلقہ کی بحثوں نے اردو شاعری کو نئی فکر، نئے موضوعات اور نیا اسلوب عطا کیا۔ اردو شاعری کا یہ طویل دور جس سیاسی زوال اور جبر و ستم کی ترجمانی کرتا آرہا ہے اس کا اثر قیام پاکستان کے بعد بھی جاری ہے بس سامراجی تشدد اور جبر و ستم کے انداز بدل گئے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

> "۱۸۵۷ء کی ابتدا کے بعد جو جبر و تشدد اور سیاسی خوف کی سزا ہماری شاعری کے پس منظر میں مسلسل موجود رہی ہے اس کا تسلسل بیسویں صدی میں بھی جاری رہا بس اس کی صورتیں بدلتی رہیں، اس لیے ردِ عمل احتجاج اور مزاحمت ہماری شاعری کا خصوصاً غزل کی رواں روایت ہے جو آزادی کے بعد بھی جاری رہی وجہ یہ کہ آزادی کے بعد بھی خوابوں اور آدرشوں کو تعبیر نہ ملی۔ سماجی بے انصافی اور طبقاتی جبر کا دور نہ صرف جاری رہا بلکہ قیام پاکستان کے بعد اس میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ قیام پاکستان سے ۱۹۵۸ء تک اور پھر ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء کی عوامی تحریک، پھر مارشل لا اور پھر ۱۹۸۸ء میں اسمبلیوں کی برطرفی تک آمریت اور جبر و استبداد کا وہی ڈرامہ مختلف شکلوں اور کرداروں کے توسط سے کھیلا جاتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد ابھرنے والی نسل کے یہاں بے اطمینانی اور خوابوں کی شکست و ریخت کا منظر نامہ اسی زوال سے وابستہ ہے۔ اس کا اظہار کہیں علامتوں، کہیں استعاروں، کہیں کلاسیکی تلازموں اور کہیں سیدھے سادھے بیانیہ میں ہوا ہے"(۱۰)

مزاحمتی شاعری کی جو روایت مسلم زوال سے شروع ہوئی تھی قیام پاکستان کے بعد حبیب جالب کی شکل میں جاری رہی۔ ترقی پسندوں شاعروں میں فیض کے بعد موثر آواز حبیب جالب کی ہے، خود فیض نے حبیب جالب کو "شاعرِ عوام" کہا تھا۔ فیض کے بعد حبیب جالب واحد شاعر ہیں جنھوں نے عوامی شاعری کی ہے۔ انھوں نے شاعری میں زندگی کے مسائل بیان کیے ہیں اور معاشرے کی حالتِ زار کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔ انھوں نے اردو غزل و نظم کے مضامین کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور شاعری میں عوامی سطح کے موضوعات لے آئے۔

کوئی واضح نظامِ حکوت نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان قیام کے دس سال بعد ہی سامراجی قوت کے ہاتھوں مغلوب ہو گیا۔ اس لیے شاعری میں مزاحمتی رجحان پہلے کی نسبت بڑھ گیا۔ ساٹھ کی دہائی میں مزاحمتی ادب کی تخلیق میں شدت آگئی، اس دور میں حبیب جالب نے معاشرتی و طبقاتی ناہمواری اور امتیازی سلوک کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنے جذبات کا اظہار شاعری میں کر دیا۔ حبیب جالب اپنے ملک کے سیاسی و سماجی حالات سے بھرپور آگہی رکھتے تھے، اس لیے انسانی حقوق کی جنگ عمر بھر لڑتے رہے۔ وہ ظلم و بربریت اور ناانصافی سے قوم کو بچانا چاہتے تھے، وہ اشتراکیت کے حامی تھے اور اشتراکی نظریہ حبیب جالب کا نعرہ بن گیا۔ ان کی شاعری میں مقصدیت کی گہری چھاپ لگی ہوئی ہے۔ مقصدیت آنے سے ان کی شاعری سے شعریت فرار ہو گئی ہے لیکن بعض غزلوں میں بھرپور شعریت بھی ہے۔

جب حکوتِ پاکستان نے اشتراکی نظریات کو اپنے خلاف سمجھا تو اکثر ادیبوں اور شاعروں کو جیل بھیج دیا، اس سے ادب میں اور زیادہ مزاحمت اور احتجاج کا رویہ پیدا ہو گیا۔ حبیب جالب نے کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا اور حکومتِ وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور صدر ایوب کے دستور کو ماننے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے "دستور" کے عنوان سے نظم لکھ کر صدائے احتجاج بلند کی:

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے پلے
ایسے دستور کو صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا ، میں نہیں مانتا(۱۱)

جب شاعر اور ادیب غمِ جاناں سے نکل کر غمِ دوراں کے اسیر ہوئے تو انھیں اسیر کر لیا گیا۔ ہندوستان میں علی سردار جعفری سے لے کر خلیل الرحمن اعظمی تک لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا جب کہ پاکستان میں فیض احمد فیض، سجاد ظہیر، احمد ندیم قاسمی، فارغ بخاری، حبیب جالب اور دیگر ادبا و شعرا کو پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ ان بار بار گرفتاریوں سے حبیب جالب کو ملک گیر شہرت حاصل ہو گئی۔ حبیب جالب نے ساری عمر استحصال سے پاک معاشرے کے قیام پر زور دیا، وہ کہتے تھے کہ امیر اور غریب کا فرق ختم کیا جائے اور وسائل کی یکساں تقسیم عمل میں لائی جائے۔ سرمایہ دار، جاگیر دار، مزدور اور کسان سب برابر ہوں۔ وہ ملک میں معاشرتی ناہمواری کے خلاف سراپا احتجاج تھے۔ انھیں اس راستے سے کوئی مصلحت نہیں روک سکتی تھی۔ حبیب جالب کی شاعری میں جبر و ظلم اور ناانصافی کے خلاف احتجاج ہے۔ ان کی شاعری میں محروم طبقے کی نمائندگی کی گئی ہے اور ان کی شاعری میں غریب طبقے کے لیے ہمدردی ہے:

شہر ویراں اداس ہیں گلیاں
رہگزاروں سے اُٹھ رہا ہے دھواں

آتشِ غم میں جل رہے ہیں دیار
گرد آلود ہے رخِ دوراں

صبح بے نور ، شام بے مایہ
لٹ گئی دولتِ نگاہ کہاں(۱۲)

حبیب جالب کی ایک اور غزل کے اشعار ملاحظہ کریں:

جاگنے والو تابہ سحر خاموش رہو
کل کیا ہو گا کس کو خبر خاموش رہو

کس نے سحر کے پاؤں میں زنجیریں ڈالیں
ہو جائے گی رات بسر خاموش رہو

قدم قدم پر پہرے ہیں ان راہوں میں
دارورسن کا ہے یہ نگر خاموش رہو(۱۳)

حبیب جالب حکمران طبقے پر تنقید کرتے ہیں لکھتے ہیں:

یہ وزیرانِ کرام
کوئی ممنونِ فرنگی ، کوئی ڈالر کا غلام
دھڑکنیں محکوم ان کی لب پہ آزادی کا نام
ان کو کیا معلوم کس حالت میں رہتے ہیں عوام
یہ وزیرانِ کرام

ان کو فرصت ہے بہت اونچے امیروں کے لیے
ان کے ٹیلیفون قائم ہیں سفیروں کے لیے
وقت ان کے پاس کب ہے ہم فقیروں کے لیے
چھو نہیں سکتے انھیں ہم ، ان کا اونچا ہے مقام
یہ وزیرانِ کرام(۱۴)

حبیب جالب کی اس طرح کی ایک اور نظم "شہر ظلمات کو ثبات نہیں" دیکھیے:

اے نظامِ کہن کے فرزندو
اے شبِ تار کے جگر بندو
یہ شبِ تار جاوداں تو نہیں
یہ شبِ تار جانے والی ہے
تابکے تیرگی کے افسانے
صبحِ نو مسکرانے والی ہے(۱۵)

Vol.5 No.2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

حبیب جالب نے استحصال اور جبر کی قوتوں کو ماننے سے انکار کر دیا،تاریخ گواہ ہے کہ جالب نے استحصال اور جبر کے خلاف شاعری میں اہم کردار ادا کیا اسی پاداش میں انھیں تشدد کر کے جیل بھیج دیا جاتا۔پاکستان کا سیاسی نظام آغاز ہی سے عدم استحکام کا شکار رہا اور ان حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فوجی آمروں نے مارشل لا لگائے، ابرار احمد لکھتے ہیں:

"ہمارا سیاسی نظام بد قسمتی سے ابتدا ہی سے اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو سکا اور سیاسی عمل کی بے ہنگم رفتار اور معاشرے میں موجود اس بابت بے چینی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۹۵۸ء میں مارشل لا لگا دیا گیا۔ اس مارشل لا نے ملے جلے ردِ عمل کو جنم دیا۔ کچھ لوگوں نے اس امید پر سکھ کا سانس لیا کہ ہماری قوم اب کسی راہ پر چل نکلے گی اگرچہ یہ بھی خوش فہمی تھی اور نادانی میں آمریت کو خوش آمدید کہہ کر اس کے ہاتھ مضبوط کئے گئے"(۱۶)

رائٹر زگلڈ کے بارے میں حبیب جالب کہہ اٹھے:

ذہانت رو رہی ہے منہ چھپائے
جہالت قہقہے برسا رہی ہے
ادب پر افسروں کا ہے تسلط
حکومت شاعری فرما رہی ہے(۱۷)

حبیب جالب نے نظام حکومت سے بغاوت کے ساتھ ساتھ اس دور کے شاعروں پر بھی کڑی تنقید کی جو حکومت سے مراعات لے کر حکومتی حمایت میں لکھا کرتے تھے۔ اس طرح ایوب حکومت کے خلاف انھوں نے خوب صدائے احتجاج بلند کی اور جسٹس کیانی نے بھی ان کا بھر پور ساتھ دیا۔پاکستان میں عدل و انصاف، آزادیِ اظہار اور ایک اچھا اور روشن مستقبل ہر شخص کو میسر ہونا چاہیے تھا جو کہ نہ ہو سکا۔اس کی جگہ طبقاتی تقسیم اور ظلم و بربرہت نے لے لی اس حوالے سے حبیب جالب کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

چھوڑنا گھر کا ہمیں یاد ہے جالب نہیں بھولے
تھا وطن ذہن میں اپنے کوئی زنداں تو نہیں تھا(۱۸)

حبیب جالب کے حوالے سے ابرار احمد "مزاحمتی ادب اُردو" میں رقم طراز ہیں:

"کشور ناہید موجودسے انکار کو قتل قرار دیتی ہے اور حبیب جالب نے موجود سے انکار نہیں کیا۔ حبیب جالب کی ساری شاعری موجود جبر کے خلاف مزاحمت کی ایک لمبی داستان ہے۔ جالب نے محنت کشوں کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کیا۔ ان کے درمیان رہا اور ان کی مشکلات کے عملی حل کے لیے کوششیں کرتا رہا"(۱۹)

حبیب جالب نے فلم سٹار نیلوپر ایک نظم"نیلو" لکھی ہے،جب اسے اربابِ اختیار نے بلایا، وہ نظم ملاحظہ کیجیے:

تو کہ ناواقفِ آدابِ شہنشاہی تھی
رقص زنجیر پہن کر بھی کیا جاتا ہے
تجھ کو انکار کی جرأت جو ہوئی تو کیونکر
سایہ شاہ میں اس طرح جیا جاتا ہے؟(۲۰)

حبیب جالب اپنی شاعری میں انسانی طبقوں میں وسائل کی مساوی تقسیم، سامراج دشمنی، شخصی آزادی اور جمہوریت کا پرچار کرتے ہیں۔ انھوں نے حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کے خلاف بھر پور احتجاج کیا، اس حوالے سے ڈاکٹر طارق عزیز اپنی تصنیف "نئ ادبی جہتیں" میں رقمطراز ہیں:

"حبیب جالب نے ہر دور میں نہ صرف مخلوقِ خدا کے دکھوں کی حکائتیں بیان کی ہیں بلکہ ملک میں جمہوری اور مبنی بر انصاف معاشرے کے قیام کے لیے بھی اپنی صدائے احتجاج ہمیشہ بلند رکھی ہے۔ ان کے کلیات "حرفِ سرِ دار" میں مجموعہ "گنبدِ بے در" اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں شامل کم و پیش سارا کلام ۱۹۸۱ء میں اُس وقت معرضِ تخلیق میں آیا جب حبیب جالب اپنے بے باک، سچے اور کھرے ہونٹوں کی بدولت کوٹ لکھپت جیل،لاہور میں پابندِ سلاسل تھے"(۲۱)

حبیب جالب کے اشعار ملاحظہ کریں:

ظلمت کو ضیا صر صر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا
پتھر کو گہر ، دیوار کو در ، کرگس کو ہما کیا لکھنا

اک حشر بپا ہے گھر میں دم گھٹتا ہے گنبد بے در ہیں
اک شخص کے ہاتھوں مدت سےرسوا ہے وطن دنیا بھر میں
اے دیدہ ور اس ذلت کو قسمت کا لکھا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا صر صر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا(۲۲)

حبیب جالب نے اپنے شعری مجموعے "اس شہر خرابی میں" میں "کوٹ لکھپت جیل" کے عنوان سے ایک نظم لکھی،اس نظم میں انھوں نے ان افراد کا ذکر کیا ہے جو بحالیِ جمہوریت کی پاداش میں جیل میں بند کر دیے گئے:

قصوریؔ قید اسلمؔ قید خورشیدؔ و عمرؔ قیدی
مری جاں اس خراب آباد میں ہے ہر بشر قیدی

سلاخوں میں ادھر ہے طاہرؔہ اور اس طرف مظہرؔ
بنا رکھا ہے اک بیداد گر نے گھر کا گھر قیدی

حمیدآخترؔ بھی ہے رحمٰنؔ بھی ہے اور مغلؔ بھی ہے
مقدر سے ملے ہیں واہ کیا کیا دیدہ ور قیدی(۲۳)

ماضی میں بہت سے شاعروں نے علامتوں میں بات کی انھوں نے قفس،صیاد، گلشن، بلبل، گل اور چراغ کے استعارے استعمال کیے لیکن جالب نے استعاروں،علامتوں اور اشاروں کنایوں میں بات نہیں کی بلکہ سیدھے اور بے باک انداز میں گویا ہوئے۔یہی وجہ ہے کہ انھیں پاکستانی ادب میں فیض کے بعد دوسرا بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ان کی مزاحمتی شاعری فیض سے بھی زیادہ بے باک نظر آتی ہے۔حبیب جالب کی قدرو منزلت کا اندازہ محبوب ظفر کی اس تحریر سے لگایا جا سکتا ہے:

"عہدِ جبر میں بہت ساری آوازیں یا تو خاموش ہو جاتی ہیں یا مدھم پڑ جاتی ہیں کیوں کہ اس عہد میں بولنا اور اونچی آواز میں بولنا گناہ قرار دیا جاتا ہے۔ ہمارے عہد میں فیض احمد فیض اورحبیب جالب کے بعد احمد فراز ہی ایک شاعر نظر آتا ہے،جس نے ہر عہد میں آوازِ حق بلند کی ہے" (۲۴)

اگرچہ مزاحمتی شاعری کرنے والے شعرا کی فہرست طویل ہے لیکن حبیب جالب ایک منفرد اور بے باک لہجے کے شاعر ہیں۔انھوں نے دیگر شعرا کے لیے ایک پل کا کام کیا ہے،خود تو انھوں نے قیدو بند کی صعوبتیں برداشت کر لیں لیکن آنے والوں کے لیے اظہارِ رائے کے لیے راستہ ہموار کر گئے۔ ان کے احتجاج میں ایک وقار ہے انھوں نے اپنی شاعری میں اپنے عہد کی سیاسی و سماجی حالات کی عکاسی کی ہے۔ انھوں نے جبر و ستم کے کئی عہد دیکھتے اور ہر عہد میں انھوں نے آوازِ حق بلند کی اور پابندِ سلاسل ہوئے۔ حبیب جالب مظلوم طبقے کے نمائندہ شاعر تھے،وہ ملک میں مستحکم جمہوری نظامِ حکومت کے خواہاں تھے۔اس حوالے سے ان کی ایک نظم "جمہوریت" ملاحظہ کیجیے:

دس کروڑ انسانو!
زندگی سے بیگانو!
صرف چند لوگوں نے
حق تمہارا چھینا ہے
خاک ایسے جینے پر
یہ بھی کوئی جینا ہے
بے شعور بھی تم کو

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

بے شعور کہتے ہیں
سوچتا ہوں یہ ناداں
کس ہوا میں رہتے ہیں(۲۵)

جالب کی شاعری میں روایتی حسن تو موجود ہے لیکن اس میں دکھی انسانو ں کے درد بھی شامل ہیں۔ انھوں نے مسائل میں گھرے ہوئے عوام کی بے بسی، بے چارگی کا ذکر اپنی شاعری میں کیا ہے۔حبیب جالب کا یہ لہجہ اپنے ذاتی غم کو بھی اجتمائی بنا دیتا ہے۔اس حوالے سے سعیدہ گذدر رقم طراز ہیں:

"جالب کا ہاتھ تو مجمع کے دل تک پہنچتا ہے اور وہ وہاں سے جذبات کی شدت،محرمیوں اور مایوسیوں کی داستانیں اور امید اور حوصلے کا جوش کھینچ کر ہم تک پہنچاتا ہے وہ اپنے شدید ذاتی غم کو بھی اجتماعی بنا دیتا ہے"(۲۶)

حبیب جالب نے اپنے جواں سال بیٹے کی وفات پر نظم لکھ کر اپنے ذاتی غم کو ہمہ گیراور آفاقی جذبے میں ڈھال دیا۔ حبیب جالب کی ساری زندگی جبر و ستم کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے گزری،جب انھیں جیل بھیج دیا جاتا تو ان کی مزاحمت میں شدت پیدا ہو جاتی۔ان کی مزاحمت میں بلند آہنگی اور تسلسل ہے جو دوسرے شعرا میں کم نظر آتا ہے۔ سعید ہ گذدر جالب کی شاعری کے حوالے سے ایک جگہ لکھتی ہیں:

"جالب کی شاعری میں روایتی حسن اور نزاکت کے ساتھ ساتھ آج کی دکھی زندگی کا پر آشوب درد شامل ہے اور آنے والے خوبصورت زمانے پر یقین بھی بے شمار تکلیف دہ مسائل میں گھر ے رہنے کے باوجود ہر لمحہ خطرے کو للکارنے پر تلا ہوا ہے"(۲۷)

حبیب جالب کا دکھ آفاقی دکھ ہے وہ اپنے ذاتی کرب کو بھی بیان کریں تو وہ بھی آفاق گیر ہو جاتا ہے۔انھوں نے جیل میں اپنی بیٹی کے لیے ایک نظم لکھی اور وہ بیٹی ایک مظلوم طبقے کے ہر فرد کی بیٹی بن جاتی ہے، نظم دیکھیے:

میری بچی میں آؤں نہ آؤں
آنے والا زمانہ ہے تیرا
تیرے ننھے سے دل کو دکھوں نے
میں نے مانا کہ ہے آج گھیرا
تیری آشا کی بگیا کھلے گی
چاند کی تجھ کو گڑیا ملی گی
تیری آنکھوں میں آنسو نہ ہوں گے
ختم ہو گا ستم کا اندھیرا
آنے والا زمانہ ہے تیرا(۲۸)

جالب کی نظمیں جبروستم کے خلاف بڑا منہ توڑ جواب ہیں۔ جالب پاکستان میں سیاسی استحکام چاہتے تھے جس طرح مشہور شاعر پابلونرودا سے چلّی کے آمر بے پناہ خائف تھے اسی طرح پاکستانی آمر بھی حبیب جالب سے خائف تھے اور ان کی آواز کو پابندِ سلاسل کرتے رہے مگر جیسے جیسے سیاسی پابندیاں بڑھتی رہیں یہ آواز اور زیادہ بلند ہوتی رہی۔ انھوں نے جمہوری تحریکوں کو اپنی شاعری سے تقویت دی اس حوالے سے سعیدہ گذدر لکھتی ہیں:

"جیسے جیسے پاکستان میں طبقاتی تضاد،سیاسی پابندیاں اور سختیاں بڑھی ہیں ویسے ویسے جالب کی شاعری بھی زیادہ مقبول ہوئی ہے۔ لوگوں نے دل و جان سے اسے اپنایا ہے،پھر بھلا جالب کو وقتی شاعر کیسے کہا جا سکتا ہے۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ موقع پرست نہیں ہیں ایک آبرو مندانہ زندگی کی آرزو اور اس کے حصول کے لیے کچھ داؤ پر لگا دینا جالب کا شیوہ ہے۔ اس سرفروشی کی سزا اسے بار بار بھگتنا پڑی ہے، مگر کیا کرے کہ اس کا خمیر ہی ان جذبوں سے اٹھا ہے جو نیکی درد مندی اور جانبازی سے لبریز ہیں"(۲۹)

حبیب جالب نے جبر کے ہر انداز کو نا منظور کر دیا۔ وہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور آمروں کے خلاف اس لیے تھے کہ وہ اشتراکیت پسند تھے اور وہ چاہتے تھے کی وسائل کی تقسیم اگر یکساں ہو جائے تو کوئی غربت اور ظلم سے نہ مرے۔ان کی ایک نظم "بیس گھرانے" دیکھیے:

Vol.5 No.2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

بیس گھرانے ہیں آباد
اور کروڑوں ہیں ناشاد
صدر ایوب زندہ باد

آج بھی ہم پر جاری ہے
کالی صدیوں کی بیداد
صدر ایوب زندہ باد

بیس روپیہ من آٹا
اس پر بھی ہے سناٹا
گوہر ، سہگل ، آدم جی
بنے ہیں برلا اور ٹاٹا
ملک کے دشمن کہلاتے ہیں
جب ہم کرتے ہیں فریاد
صدر ایوب زندہ باد(۳۰)

جالب کی اس طرح کی ایک اور نظم "پاکستان کا مطلب کیا؟" دیکھیے:

روٹی ، کپڑا اور دوا
گھر رہنے کو چھوٹا سا
مفت مجھے تعلیم دلا
میں بھی مسلماں ہوں واللہ
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الہٰ الا اللہ..................

کھیت وڈیروں سے لے لو
ملیں لٹیروں سے لے لو
ملک اندھیروں سے لے لو
رہے نہ کوئی عالی جاہ
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الہٰ الا اللہ..................(۳۱)

حبیب جالب بڑے محبِ وطن انسان تھے،وطن کی خاطر وہ تڑپ اٹھتے تھے ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علاحدگی پر انھوں نے بہت احتجاج کیا، مشرقی پاکستان میں فوج کشی کے موقع پر انھوں نے کہا:

محبت گولیوں سے بو رہے ہو
وطن کا چہرہ خوں سے دھو رہے ہو

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

گماں تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے
یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو(۳۲)

ڈاکٹر عندلیب شادانی،برگِ آوارہ کے مقدمے میں حبیب جالب کے اسلوب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جالب نے اپنی غزل کو داخلی واردات کے بیان تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے دور کے سماجی اور سیاسی حالات کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے۔ ان موضوعات پر ان کی طنزیہ نظمیں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ ان نظموں میں بھی جالب کا اپنا انفرادی رنگ نمایاں ہے"(۳۳)

حبیب جالب کی شاعری صداقت اور مبنی بر حقیقت ہے۔ انھوں نے جو دیکھا اور جو محسوس کیا حرفِ حق کی طرح لکھ دیا ہمیشہ جبر و استبداد کے خلاف اپنے گریبان کا پرچم بلند کیا اور ہمیں متاعِ شعور عطا کی، مخدوم علی خاں ایڈووکیٹ لکھتے ہیں:

"جالب کا مسئلہ یہ ہے کہ کچھ اصولوں سے اس کی محبت ابدی ہے وہ کسی قیمت پر بھی ان کو قربان کر کے کسی سے مصالحت نہیں کر سکتا۔ انھی اصولوں کی وجہ سے نہ وہ چین سے کبھی بیٹھ پاتا ہے اور نہ دل کی بات زبان پر لائے بنا رہ سکتا ہے۔ خواہ اسے صاف گوئی کی پاداش میں کتنے ہی دکھ اٹھانے پڑیں۔وہ زخم کھا کر مسکرا توسکتا ہے قاتل کو معصوم ادا لکھ نہیں سکتا"(۳۴)

جالب کی سچ گوئی سے متعلق ایک غزل کے اشعار دیکھیے:

دینا پڑے کچھ ہی ہرجانہ سچ ہی لکھتے جانا
مت گھبرانا مت ڈر جانا ، سچ ہی لکھتے جانا

باطل کی منہ زور ہوا سے جو نہ کبھی بجھ پائیں
وہ شمعیں روشن کر جانا سچ ہی لکھتے جانا

پل دو پل کے عیش کی خاطر کیا دبنا کیا جھکنا
آخر سب کو ہے مر جانا سچ ہی لکھتے جانا(۳۵)

اس سچ کی وجہ سے انھیں طرح طرح کی اذیتیں اور صعوبتیں اٹھانا پڑیں لیکن حبیب جالب کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔ جالب کی شاعری کا مطالعہ کریں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم ملکِ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں سفر کر رہے ہیں۔ پاکستان کی سیاست کا سفر عہد بہ عہد ان کی شاعری میں رواں ہے۔جالب نے ایوب خاں کے مارشل لا کے بعد یحیٰ خان کے ارادوں کو بھی بھانپ لیا تھا اس لیے یہ شعر کہا:

تم سے پہلے وہ جو اک شخص یہاں تخت نشیں تھا
اس کو بھی اپنے خدا ہونے پر اتنا ہی یقیں تھا(۳۶)

تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا اور ملک میں پھر مارشل لا لگ گیا۔ ضیاالحق کے مارشل لا کے خلاف ان کی نظمیں "ریفرنڈم" اور "ایک نہتی لڑکی" قابلِ ذکر ہیں۔ جمہوریت غیر مستحکم ہونے کی وجہ سے آمریت کے تجربے ہوتے رہے اور حبیب جالب اشعار میں کرب اگلتے رہے.جمہوریت کی بحالی کی بات ہو یا خواتین کے حقوق کی،حبیب جالب نے ہمیشہ مزاحمت کی ہے۔اس حوالے سے مخدوم علی خاں ایڈووکیٹ رقم طراز ہیں:

"بحالی جمہوریت کی تحریک چلے تو حبیب جالب پنجاب کو جگانے کے لیے کوشاں نظر آتا ہے،سندھ میں ظلم ہو تو اس کا دل تڑپ اٹھتا ہے،خواتین اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے سڑکوں پر نکلیں تو جالب ان کی مدد کو آ پہنچتا ہے"(۳۷)

پیرس میں جب ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے ایک سپاہی "ژاں پال سارتر" کے کوٹ کا کالر پکڑ لیتاہے تو جب اسے ایک عورت بتاتی ہے کہ یہ "سارتر" ہے تو سپاہی نادم ہو کر لاٹھی پھینک کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے مگر یہاں جب حبیب جالب عورتوں کے حقوق کے لیے مال روڈ پر جلوس کی قیادت کرتے ہیں تو ان کو شدید لاٹھی چارج کیا جاتا ہے تبھی تو جالب نے کہا تھا:

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

بڑے بنے تھے جالبؔ صاحب پٹے سڑک کے بیچ
گولی کھائی لاٹھی کھائی گرے سڑک کے بیچ (۳۸)

جالب کے سچے اور کھرے شعروں نے غاصبوں اور آمروں کو خائف کر دیا۔ انھیں خدشہ تھا کہ جالب کی شاعری عوام کے دلوں میں ان کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا کرے گی،اس لیے انھوں نے جالب کو بار بار پابندِ سلاسل کیا اور ان کے کلام کو بھی زنجیر ضبط پہنائی گئی۔اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

"جالب ان خوش نصیبوں میں سے ہے جو خود بھی پابندِ سلاسل رہے اور جن کی تحریروں پر بھی قدغن رہی۔ اس زمانے کے آمروں کو شاید اس کا علم نہ تھا کہ صدیوں پہلے "بیتائل" کے بندی خانے میں کتابیں بھی پا بہ زنجیر کی جاتی تھیں۔ انھیں معلوم ہوتا تو پیروی میں وہ بھی ان کتابوں کو کوٹ لکھپت جیل میں یا شاہی قلعہ کے تہہ خانوں میں زنجیروں سے جکڑ کر رکھتے اور خوش ہوتے کہ وہ صرف جالب کو ہی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں، انھوں نے اس کے لکھے ہوئے لفظوں کو بھی زنجیروں کا اسیر کیا ہے"(۳۹)

حبیب جالب، فیض احمد فیض کے بعد واحد شاعر ہیں جنھوں نے ہر عہد میں روشن حرف لکھے،سچ بولے اور آمرِ وقت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انھوں نے لوگوں کو محرومی و محکومی سے آزاد کرانے ظلم و ناانصافی سے رہائی دلانے کا پیمان کیا ہوا تھااور اپنے اس پیمان پر تا عمر قائم رہے اور وفا کر دکھایا۔ زاہدہ حنا،حبیب جالب کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھتی ہیں:

"جمہوریت کی وہ ننھی سی کونپل جو آج بھی طوفانوں کی ضد میں ہے اسے جالب اور اس جیسے دوسرے لکھنے والوں نے اپنی بے باکی اور حق گوئی سے پرورش کیا ہے۔ جس طلوع سحر کے دھندلے سے آثار آج ہمیں نظر آتے ہیں اسے آواز دینے کے لیے جالب کا سینہ خرچ ہوا ہے۔اس کے لب سوکھے ہیں اس کی توانایاں لٹی ہیں، اس کے پیاروں کی خوشیاں چھنی ہیں"(۴۰)

حبیب جالب کی شاعری میں اُمید کی ایک کرن بھی ہے۔یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

اے دوست رہ زیست میں زنداں نہ رہیں گے
آئے گی سحر ، لوگ پریشاں نہ رہیں گے

صدیوں کی سیہ رات ہے اب ڈھلنے پہ مجبور
اشکوں کے ستارے سرِ مژگاں نہ رہیں گے(۴۱)

حبیب جالب نے یہ اشعار "سرِ مقتل" کی ضبطی پر کہے۔یہ اشعار دیکھیے:

مرے ہاتھ میں قلم ہے مرے ذہن میں اُجالا
مجھے کیا دبا سکے گا کوئی ظلمتوں کا پالا

مجھے فکرِ امنِ عالم تجھے اپنی ذات کا غم
میں طلوع ہو رہا ہوں تو غروب ہونے والا(۴۲)

حبیب جالب نے طوقِ غلامی اُتارنے کے لیے لوگوں میں جذبہ پیدا کیا، یہ اشعار دیکھیے:

جینے کا حق سامراج نے چھین لیا
اٹھو مرنے کا حق استعمال کرو
ذلت کے جینے سے مرنا بہتر ہے
مٹ جاؤ یا قصرِ ستم پامال کرو(۴۳)

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

حبیب جالب نے ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں بھی احتجاج کیا۔اور نظم "ممتاز" لکھ کر اپنی صدائے احتجاج یوں بلند کی ہے، ملاحظہ کیجیے:

قصرِ شاہی سے یہ حکم صادر ہوا، لاڑکانے چلو
ورنہ تھانے چلو
اپنے ہونٹوں کی خوشبو لٹانے چلو، گیت گانے چلو
ورنہ تھانے چلو
منتظر ہیں تمہارے شکاری وہاں کیف کا ہے سماں
اپنے جلوؤں سے محفل سجانے چلو، مسکرانے چلو
ورنہ تھانے چلو(۴۴)

حبیب جاب کی شاعری کے حوالے سے پروفیسر غفور شاہ قاسم اپنی تصنیف "پاکستانی ادب" میں یوں رقم طراز ہیں:

"مزاحمت اور احتجاج حبیب جالب کی شاعری کا عقیدہ اور مسلک معلوم ہوتے ہیں"(۴۵)

حبیب جالب ایک سچے اور کھرے شاعر تھے، حق بات کہتے تھے لیکن ان کی یہ باتیں اربابِ اختیار کو بری لگتی تھیں اس پاداش میں حاکمِ وقت انھیں پابندِ سلاسل کر دیتے تھے۔وہ زندگی بھر مزاحمت کر کے آنے والے شعرا کے لیے ایک راستہ بنا گئے۔ جالب نے اپنے لہو سے لفظوں کے چراغ جلائے ہیں۔ان کے روشن کیے ہوئے چراغ کبھی نہیں بجھیں گے کیوں کہ جو چراغ لہو سے جلے کبھی نہیں بجھتا۔

حوالہ جات:

۱۔ خواجہ میر درد، دیوانِ خواجہ میر درد، ترتیب و مقدمہ، عبدالباری آسی، (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ ۱۹۵۱ء)، ص:۸۷
۲۔ میر تقی میر، دیوانِ میر تقی میر، ترتیب و تالیف، عامر اقبال، (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۶ء)، ص:۶۹
۳۔ ایضاً، ص:۴۴ ۴۔ ایضاً، ص:۹۹
۵۔ رشید امجد، ڈاکٹر، مضمون، اردو میں مزاحمتی ادب کی روایت، مشمولہ، مزاحمتی ادب اردو، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۵ء)، ص:۳۱
۶۔ میرزا اسد اللہ خاں غالب، دیوانِ غالب، (لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۱)، ص:۲۶۱
۷۔ رشید امجد، ڈاکٹر، مضمون، اردو میں مزاحمتی ادب کی روایت، مشمولہ، مزاحمتی ادب اردو، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۵ء)، ص:۳۳، ۳۲
۸۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، اکبر الہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء)، ص:۲۲۳
۹۔ رشید امجد، ڈاکٹر، مضمون، اردو میں مزاحمتی ادب کی روایت، مشمولہ، مزاحمتی ادب اردو، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۵ء)، ص:۴۲
۱۰۔ ایضاً، ص:۴۵
۱۱۔ حبیب جالب، کلیاتِ حبیب جالب، (لاہور: طاہر سنز پبلشرز، بارِ سوم ۲۰۱۲ء)، ص:۱۴۰
۱۲۔ ایضاً، ص:۳۸ ۱۳۔ ایضاً، ص:۷۷ ۱۴۔ ایضاً، ص:۱۲۳
۱۵۔ ایضاً، ص:۱۲۹
۱۶ ابرار احمد، مضمون، مزاحمتی ادب، مشمولہ، مزاحمتی ادب اردو، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۵ء)، ص:۵۰، ۴۹
۱۷۔ حبیب جالب، کلیاتِ حبیب جالب، (لاہور: طاہر سنز پبلشرز، بارِ سوم ۲۰۱۲ء)، ص:۲۰۰
۱۸۔ ایضاً، ص:۱۶۷
۱۹۔ ابرار احمد، مضمون، مزاحمتی ادب، مشمولہ، مزاحمتی ادب اردو، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۵ء)، ص:۵۱
۲۰۔ حبیب جالب، کلیاتِ حبیب جالب، (لاہور: طاہر سنز پبلشرز، بارِ سوم ۲۰۱۲ء)، ص:۲۱۹
۲۱۔ طارق عزیز، ڈاکٹر، نئ ادبی جہتیں، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۷ء)، ص:۱۶
۲۲۔ حبیب جالب، کلیاتِ حبیب جالب، (لاہور: طاہر سنز پبلشرز، بارِ سوم ۲۰۱۲ء)، ص:۱۹۷
۲۳۔ ایضاً، ص:۴۱۶
۲۴۔ محبوب ظفر، پاکستانی ادب کے معمار، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۰۶ء)، ص:۱۱۷
۲۵۔ حبیب جالب، کلیاتِ حبیب جالب، (لاہور: طاہر سنز پبلشرز، بارِ سوم ۲۰۱۲ء)، ص:۱۴۲، ۱۴۳

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

۲۶۔ سعیدہ گذدر، دریاچہ، حرفِ حق،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز، مئی ۲۰۱۰ء)،ص:۱۶

۲۷۔ سعیدہ گذدر، دریاچہ، حرفِ حق،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز، مئی ۲۰۱۰ء)،ص:ایضاً،ص:۱۶

۲۸۔ حبیب جالب،کلیاتِ حبیب جالب،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز،بارِسوم ۲۰۱۲ء)،ص:۲۵۶،۲۵۷

۲۹۔ سعیدہ گذدر، دریاچہ، حرفِ حق،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز، مئی ۲۰۱۰ء)،ص:ایضاً،ص:۱۶

۳۰۔ حبیب جالب،کلیاتِ حبیب جالب،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز،بارِسوم ۲۰۱۲ء)،ص:۱۵۱

۳۱۔ ایضاً،ص:۱۷۵،۱۷۶ ۳۲۔ ایضاً،ص:۲۳۶

۳۳۔ عندلیب شادانی،ڈاکٹر، مقدمہ، برگِ آوارہ،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز، مئی ۲۰۱۰ء)،ص:۲۹

۳۴۔ مخدوم علی خاں ایڈووکیٹ، پیش لفظ، عہدِ سزا،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز، مئی ۲۰۱۰ء)،ص:۱۱

۳۵۔ حبیب جالب،کلیاتِ حبیب جالب،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز،بارِسوم ۲۰۱۲ء)،ص:۲۶۶

۳۶۔ ایضاً،ص:۱۶۷

۳۷۔ مخدوم علی خاں ایڈووکیٹ، پیش لفظ، عہدِ سزا،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز، مئی ۲۰۱۰ء)،ص:۱۶

۳۸۔ حبیب جالب،کلیاتِ حبیب جالب،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز،بارِسوم ۲۰۱۲ء)،ص:۳۲۱

۳۹۔ زاہدہ حنا، پیش لفظ، عہد سزا،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز، مئی ۲۰۱۰ء)،ص:۱۵

۴۰۔ ایضاً،ص:۱۸

۴۱۔ حبیب جالب،کلیاتِ حبیب جالب،(لاہور:طاہر سنز پبلشرز،بارِسوم ۲۰۱۲ء)،ص:۳۶۳

۴۲۔ ایضاً،ص:۳۶۴ ۴۳۔ ایضاً،ص:۳۷۴ ۴۴۔ ایضاً،ص:۳۵۸

۴۵۔ غفور شاہ قاسم، پروفیسر، پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء تا حال،(لاہور: بک ٹاک، ۱۹۹۵ء)،ص:۱۷۵

ماخذ

حبیب جالب۔ کلیاتِ حبیب جالب۔لاہور:طاہر سنز پبلشرز،بارِسوم ۲۰۱۲ء۔

خواجہ محمد زکریا،ڈاکٹر، اکبر الہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۶ء۔

خواجہ میر درد۔ دیوانِ خواجہ میر درد۔ ترتیب و مقدمہ، عبدالباری آسی، کراچی:اردو اکیڈمی سندھ ۱۹۵۱ء۔

رشید امجد،ڈاکٹر، مضمون، اردو میں مزاحمتی ادب کی روایت، مشمولہ، مزاحمتی ادب اردو،(اسلام آباد:اکادمی ادبیات،۱۹۹۵ء۔

طارق عزیز،ڈاکٹر، نئ ادبی جہتیں،(لاہور: مقبول اکیڈمی،۲۰۰۷ء)،ص:۱۶

غفور شاہ قاسم، پروفیسر، پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء تا حال،(لاہور: بک ٹاک، ۱۹۹۵ء۔

محبوب ظفر، پاکستانی ادب کے معمار،(اسلام آباد:اکادمی ادبیات،۲۰۰۶ء)،ص:۱۱۷

میر تقی میر۔ دیوانِ میر تقی میر۔ ترتیب و تالیف، عامر اقبال،لاہور: علم و عرفان پبلشرز،۲۰۰۶ء۔

میرزا اسد اللہ خاں غالب، دیوانِ غالب،(لاہور: خزینہ علم وادب،۲۰۰۱ء۔